سورۃ الملک

آیاتہا ۳۰ ﴿ ۶۷ سورۃ الملک مکیۃ ۷۷ ﴾ رکوعاتہا ۲

تمام علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے، اسے واقیہ اور منجیہ بھی کہتے ہیں، اس کی تیس آیات ہیں۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے ایک قبر پر خیمہ لگایا وہ یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ یہ قبر ہے یہ ایسے انسان کی قبر تھی جو سورۂ ملک پڑھتا یہاں تک کہ اسے ختم کرتا (1)۔ خیمہ لگانے والا صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی: یارسول اللہ! میں نے قبر پر اپنا خیمہ لگایا میں یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ یہ قبر ہے کیا دیکھتا ہوں کہ یہ انسان کی قبر ہے جو سورۂ ملک کی قرات کر رہا ہے یہاں تک کہ اس نے اسے ختم کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ مانعہ ہے، یہ منجیہ ہے جو عذاب قبر سے نجات دینے والی ہے''۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں پسند کرتا ہوں کہ سورۂ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ہر مومن کے دل میں ہو''۔ ثعلبی نے اسے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کتاب اللہ میں سے ایک سورت ہے وہ صرف تیس آیات ہیں وہ انسان کی شفاعت کرتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز اسے جہنم سے نکال دے گی اور جنت میں اسے داخل کرے گی یہ سورۂ تَبٰرَكَ الَّذِيْ ہے (2)'' امام ترمذی نے اس کی ہم معنی حدیث نقل کی ہے اس بارے میں کہا: یہ حدیث حسن ہے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: جب میت کو اس کی قبر میں رکھا جائے گا تو اس کے قدموں کی جانب سے آیا جائے گا اور کہا جائے گا: تمہیں اس پر کوئی اختیار نہیں کیونکہ یہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر سورۂ ملک پڑھا کرتا تھا، پھر اس کے سر کی جانب سے آیا جائے گا تو اس کی زبان کہے گی: اس پر کوئی اختیار نہیں وہ مجھ سے سورۂ ملک کی تلاوت کیا کرتا تھا، پھر فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے مانع ہے یہ سورت تورات میں بھی سورۂ ملک ہے جس نے رات میں اسے پڑھا تو اس نے بہت زیادہ عمل کیا اور بہت اچھا عمل کیا۔ یہ روایت کی گئی ہے: جس نے اسے ہر رات پڑھا فتان اسے کوئی نقصان نہیں دے سکے گا (3)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ ۝

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، ما جاء فی سورۃ الملک، جلد 2، صفحہ 580

2۔ سنن ابی داؤد، باب فی عدد الآیۃ، حدیث نمبر 1192۔ سنن ابن ماجہ، باب ثواب القرآن، حدیث نمبر 3775، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ المتذکرہ، کتاب التفسیر، جلد 1، صفحہ 211

''منزہ و برتر ہے وہ جس کے قبضہ میں (سب جہانوں کی) بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے''۔

تَبٰرَكَ یہ برکت سے تفاعل کے وزن پر ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی تقدس ہے یعنی وہ پاک ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہمیشہ رہنے والا ہے پس وہ ایسا دائم ہے جس کے وجود کا اول نہیں اور اس کے دوام کا آخر نہیں۔ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ دنیا و آخرت میں زمین و آسمان کی بادشاہی اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کے قبضہ قدرت میں بادشاہی ہے، جسے چاہتا ہے عزت عطا فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت عطا فرماتا ہے، وہ زندگی عطا کرتا ہے، وہ موت عطا کرتا ہے، وہ غنی کرتا ہے، وہی فقر دیتا ہے، وہ عطا فرماتا ہے، وہی روک لیتا ہے۔ محمد بن اسحاق نے کہا: اسی کے قبضہ قدرت میں نبوت کی بادشاہی ہے جس کے ساتھ اتباع کرنے والوں کو عزت عطا فرماتا ہے اور مخالفت کرنے والوں کو ذلت دیتا ہے(2)۔ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙ وہ انعام کرنے اور انتقام لینے پر قادر ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۙ

''جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے، اور وہی دائمی عزت والا بہت بخشنے والا ہے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

موت اور حیات کی تخلیق کا معنی

مسئلہ نمبر 1۔ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے تمہیں موت اور زندگی کے لئے پیدا کیا، یعنی دنیا میں موت کے لئے اور آخرت میں زندگی کے لئے پیدا کیا(3)۔ موت کو زندگی پر مقدم کیا کیونکہ موت صفت قہر کے زیادہ قریب ہے جس طرح بنات کو بنین پر مقدم کیا فرمایا: یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا (الشوریٰ:49) ایک قول یہ کیا گیا ہے: موت کو اس لئے مقدم کیا کیونکہ یہ زندگی سے پہلے ہے کیونکہ اشیاء ابتدا میں موت کے حکم میں تھیں جس طرح نطفہ، مٹی وغیرہ۔

قتادہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے: ''اللہ تعالیٰ نے انسان کو موت کے ساتھ ذلیل کیا، دنیا کو زندگی کا گھر بنایا پھر موت کا گھر بنایا اور آخرت کو جزاء کا گھر پھر بقاء کا گھر بنایا''(4)۔ حضرت ابو داؤد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لولا ثلاث ما طأطأ ابن آدم رأسه الفقر و المرض و الموت وانه مع ذلك لوثاب اگر تین چیزیں نہ ہوں تو انسان اپنا سر نہ جھکائے، فقر، مرض اور موت اس کے باوجود وہ اچھلنے کودنے والا اور جلد باز ہے۔

مسئلہ نمبر 2۔ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ موت کو حیات پر مقدم کیا کیونکہ جو انسان موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتا ہے اسے عمل کی طرف دعوت میں یہ سب سے قوی داعی (سبب) ہے اسے مقدم کیا کیونکہ جس غرض کے لئے آیت چلائی گئی ہے وہ زیادہ اہم ہے۔ علماء نے کہا: موت سے مراد عدم محض اور خالص فنا نہیں جبکہ موت سے مراد روح کا بدن سے جو تعلق ہے اس کا انقطاع اور اس کی مفارقت ہے، دونوں میں کسی چیز کا حائل ہونا، ایک حال سے دوسرے حال میں بدل جانا اور ایک دار سے

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 6، صفحہ 49 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 49 3۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 50-49 4۔ ایضاً، جلد 50

دوسرے دار میں منتقل ہوتا ہے، جبکہ زندگی اس کے برعکس ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کلبی اور مقاتل نے کہا: موت اور حیات دو جسم ہیں موت کو مینڈھے کی ایسی ہیئت میں بنایا گیا ہے جو کسی انسان کے پاس سے نہیں گزرتا اور کوئی اس کی ہوا نہیں پاتا مگر مر جاتا ہے، حیات کو ایسے گھوڑی کی صورت پر بنایا گیا ہے جو سیاہ و سفید رنگ والی ہے یہ وہی گھوڑی ہے جس پر حضرت جبریل امین اور انبیاء علیہم السلام سواری کیا کرتے تھے، اس کا ایک قدم حد نگاہ تک ہوتا ہے، جو گدھے سے بڑی اور خچر سے چھوٹی ہوتی ہے، یہ کسی چیز کے پاس سے نہیں گزرتی جو چیز اس کی ہوا پاتی ہے تو وہ زندہ ہو جاتی ہے، وہ کسی چیز کو نہیں روندتی مگر وہ ہر چیز زندہ ہو جاتی ہے، یہ وہی گھوڑی تھی جس کے قدم کے نشان سے سامری نے کوئی چیز لی اسے بچھڑے پر ڈالا تو وہ زندہ ہو گیا؛ ثعلبی اور قشیری نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ ماوردی نے اسی کا معنی مقاتل اور کلبی سے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: قرآن حکیم میں ہے قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ (السجدہ: 11) وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓىِٕكَةُ (الانفال: 50) تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (الانعام: 61) فرمایا اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (الزمر: 42) واسطے فرشتے ہیں جو مکرم ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان پر ہوں۔ حقیقت میں موت عطا کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ آخرت میں موت کو مینڈھے کی مثالی شکل دی جائے گی اور پل صراط پر اسے ذبح کر دیا جائے گا جس طرح خبر صحیح میں واقع ہوا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ اس خبر صحیح کا محتاج ہے جو عذر کو ختم کر دے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ مقاتل سے یہ بھی مروی ہے: خَلَقَ الْمَوْتَ سے مراد ہے نطفہ، علقہ اور مضغہ کو پیدا کیا اور خلق الحیوۃ سے مراد ہے انسان کو پیدا فرمایا، اس میں روح پھونکی تو وہ انسان بن گیا۔

میں کہتا ہوں: یہ اچھا قول ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان: لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا دلالت کرتا ہے۔ سورۂ کہف میں اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ سدی نے اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کا معنی یہ ذکر کیا ہے أكثركم للموت ذكرا و أحسن استعدادا تم میں سے کون موت کو زیادہ یاد کرتا ہے اور کون اس کے لئے زیادہ تیاری کرتا ہے؟ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ معنی ہے کون زیادہ خوف رکھتا ہے اور کون زیادہ احتیاط برتتا ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورت کے شروع اَحْسَنُ عَمَلًا تک آیات پڑھیں فرمایا: ''کون اللہ تعالیٰ کے محارم سے بچتا ہے(1) اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جلدی کرتا ہے''۔ لیکن ایک قول یہ کیا گیا ہے: لِيَبْلُوَكُمْ کا معنی ہے تمہارے ساتھ ممتحن کا سا معاملہ کرے یعنی موت دے کر بندے کو آزماتا ہے تا کہ اس کے صبر کو واضح کرے اور حیات دے کر آزماتا ہے تا کہ اس کے شکر کو واضح کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے بعث اور جزا کے لئے موت کو پیدا کیا اور زندگی کو آزمانے کے لئے پیدا کیا۔ لِيَبْلُوَكُمْ میں لام خلق حیات کے متعلق ہے خلق موت کے متعلق نہیں؛ زجاج نے اسے ذکر کیا ہے۔ فراء اور زجاج نے یہ بھی کہا: بلوی، ای پر واقع نہیں ہوتا کیونکہ بلوی اور ای کے درمیان فعل مضمر ہے جس طرح تو کہتا ہے: بلوتکم لانظر أیکم أطوع اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ۝ (القلم) ان سے پوچھیں پھر دیکھیں۔ اَيُّكُمْ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 50

ہے اَحْسَنُ اس کی خبر ہے معنی ہے تاکہ جانے یا دیکھے تم میں سے ازروئے عمل کے کون سب سے اچھا ہے؟ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۝ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اس سے انتقام لینے میں غالب ہے اور جو توبہ کرے اس کو بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝

''جس نے بنائے ہیں سات آسمان اوپر نیچے تمہیں نظر نہیں آئے گا (خداوند) رحمن کی آفرینش میں کوئی خلل ذرہ پھر نگاہ اٹھا کر دیکھ کیا تجھے کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے؟''۔

الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ان میں سے بعض بعض کے اوپر ہیں ان کی اطراف ملے ہوئے ہیں؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے۔ طِبَاقًا یہ نعت کی صفت ہے مصدر کے ساتھ اس کی صفت لگائی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مصدر ہے مطابقہ کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ و طبقھا تطبیقًا او مُطَابَقَةً یا تقدیر کلام یوں ہوگی طُوبقت طِبَاقًا۔ سیبویہ نے کہا: طباقا منصوب ہے کیونکہ یہ مفعول ثانی ہے۔ میں کہتا ہوں: خَلَقَ، جعل اور صیر کے معنی میں ہوگا۔ طباق، طبق کی جمع ہے جس طرح جمل کی جمع جمال ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ طبقہ کی جمع ہے۔ ابان بن تغلب نے کہا: میں نے ایک بدو کو سنا جو کسی آدمی کی مذمت کر رہا تھا تو اس نے کہا: شرہ طباق و خیرہ غیر باقِ اس کا شر تہہ در تہہ رہے اور اس کی خیر باقی رہنے والی نہیں (1)۔ قرآن کے علاوہ میں سبع سموات طباقٍ پڑھنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ سَمٰوٰتٍ کی صفت ہوئی اس کی مثل قرآن حکیم میں بھی ہے وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ (یوسف:43)

مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ حمزہ اور کسائی کی قرات مِنْ تَفَوُّتٍ ہے الف نہیں واؤ مشدد ہے (2)؛ یہ حضرت ابن مسعود اور اس کے اصحاب کی قرات ہے باقی قراء نے من تفاوت پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح تعاھد اور تعھُّد، تَحَمُّل اور تَحَامُل، تَظَهُّر اور تَظَاهُر، تَصَغُّر اور تَصَاغُر، تَضَعُّف اور تَضَاعُف، تَبَعُّد اور تَبَاعُد ہے دونوں کا معنی ایک ہے۔ ابو عبید نے مِنْ تَفَوُّتٍ کی قرات کو اختیار کیا ہے اور حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر کی حدیث سے استدلال کیا: أَمِثْلِی یُتَفَوَّتُ علیه فی بَنَاتِه کیا مجھ جیسے آدمی کی عدم موجودگی میں اس کی بیٹیوں میں اس کی اجازت کے بغیر معاملہ کیا جاتا ہے۔ نحاس نے کہا: یہ امر ابو عبید پر رد کر دیا جائے گا کیونکہ یتفوت کا معنی ہوتا ہے مشورہ کے بغیر کام کرنا۔ آیت میں تَفٰوُتٍ کا لفظ مناسب ہے جس طرح تباین کہا جاتا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: تَفَاوَتَ الْاَمْرُ جب اس میں جدائی اور بعد میں پیدا ہو جائے یعنی ان میں سے بعض، بعض سے فوت ہو جائے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اس سے قبل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا معنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمن کی تخلیق میں کوئی کجی، نقص اور تباین نہیں دیکھیں گے بلکہ یہ مستقیم ہیں، مستوی ہیں اور اس کے خالق ہونے پر دال ہیں اگرچہ ان کی صورتیں اور صفات مختلف ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد صرف آسمان ہیں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی تخلیق میں کوئی عیب نہیں دیکھیں گے۔ اس کی اصل فوت ہے مراد ہے کوئی چیز کسی چیز کو نہ پائے تو

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 338
2۔ ایضاً

برابری میں کمی کی وجہ سے خلل واقع ہو جائے۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول دلالت کرتا ہے فرمایا: معنی ہے من تفرق ابو عبید نے کہا: تفوت الشئ کا معنی ہے جب وہ چیز ناپید ہو جائے پھر حکم دیا کہ اس کی تخلیق میں تم غور و فکر کرو تا کہ تم اس سے عبرت حاصل کرو اور اس کی قدرت میں غور و فکر کرو تو فرمایا: فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ اپنی نظر کو آسمان کی طرف اٹھاؤ۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: قلب البصر فی السماء اس نے آسمان کی طرف نظر کو اٹھایا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اجھد بالنظر الی السماء۔ معنی قریب قریب ہے۔ فَارْجِعِ ارشاد فرمایا اور فاء کا ذکر کیا اس سے پہلے فعل مذکور نہیں کیونکہ فرمایا: مَا تَرٰى معنی ہے دیکھیے پھر نظر کو لوٹایئے کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کمی دیکھتے ہیں؟ یہ قتادہ کا قول ہے۔ فطور کا معنی پھٹن ہے؛ یہ مجاہد اور ضحاک سے مروی ہے (1)۔ قتادہ نے کہا: معنی ہے خلل یعنی نقص (2)۔ سدی نے کہا: معنی ہے کوئی شگاف (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: معنی ہے کمزوری۔ یہ تفطر اور انفطار سے ماخوذ ہے جس کا معنی انشقاق ہے۔ شاعر نے کہا:

بَنٰى لَكُم بِلَا عَمَدٍ سَمَاءً وَ زَيَّنَهَا فَمَا فِيهَا فُطُورُ

بغیر ستونوں کے تمہارے لئے آسمان بنایا اور اسے مزین کیا اس میں پھٹن نہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

شَقَقْتِ القلب ثم ذَرَرْتِ فيه هَوَاكِ فَلِيمَ فَالْتَأَمَ الفُطُورُ

تو نے دل کو پھاڑا پھر تو نے اس میں اپنی محبت کا بیج بویا پھر اسے جوڑ دیا گیا تو شگاف مندمل ہو گیا۔

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝

''جس نے بنائے ہیں سات آسمان اوپر نیچے تمہیں نظر نہیں آئے گا (خداوند) رحمن کی آفرینش میں کوئی خلل ذرا پھر نگاہ اٹھا کر دیکھ کیا تجھے کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے''۔

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ، کرتین مفعول مطلق ہے کیونکہ اس کا معنی دو بار لوٹنا ہے۔ معنی یکے بعد دیگرے۔ دو دفعہ دیکھنے کا حکم دیا کیونکہ انسان جب کسی چیز کو ایک دفعہ دیکھتا ہے تو اس کا عیب نہیں پاتا جب تک دوسری دفعہ اسے نہ دیکھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی اگرچہ دو دفعہ دیکھا تب بھی کوئی عیب نہ پایا بلکہ دیکھنے کے ساتھ متحیر ہو گئے اسی وجہ سے فرمایا: يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا یعنی آنکھ لوٹے گی جھکی ہوئی درماندہ اور کوئی عیب پانے سے دور۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: خسأت القلب تو نے اسے دور کر دیا اور خسا الكلبُ بنفسه کتا خود دور ہو گیا۔ یہ متعدی اور غیر متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے انخسأ الكلب یہ جملہ بھی بولا جاتا ہے: خسا البصرُ خسأً و خسوءًا اس کی آنکھ نہیں دیکھتی؛ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: خاسی اسے کہتے ہیں جو ایسی چیز نہ دیکھے جس کی وہ خواہش کرتا تھا۔ وَّهُوَ حَسِيْرٌ ۝ وہ تھکاوٹ میں انتہا کو پہنچ گئی۔ حَسِيْرٌ اسم فاعل کے معنی میں ہے یہ حسور سے مشتق ہے جس کا معنی نکلنا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حسرہ، بُعدُ الشئ سے اسم مفعول کے معنی میں ہو۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا معنی ہے: اسی معنی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 51 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

میں شاعر کا قول ہے:

مَن مَدّ طرفًا إلى ما فوق غايته ارْتَد خَسْآنَ منه الطَّرْفُ قد حَسِرا

جو آدمی اپنی حد سے اوپر نظر کرتا ہے اس کی آنکھ ناکام لوٹتی ہے جبکہ وہ سخت تھکی ہوتی ہے۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: قد حَسَرَ بَصَرُهُ يَحْسِرُ حُسُورًا یعنی وہ تھک گئی اور زیادہ عرصہ دیکھنے کی وجہ سے اس کی نظر میں انقطاع آ گیا اور جو اس کے مشابہ ہو۔ اس سے صفت کے صیغے حسیر اور محسور استعمال ہوتے ہیں شاعر نے کہا:

نظرت إليها بالمُحَصَّبِ من مِنىً فعاد إليّ الطَّرْف وهو حسير

میں نے اس کی طرف محصب سے دیکھا جو منیٰ سے ہے، نظر میری طرف لوٹی جبکہ وہ تھکی ماندی تھی۔

ایک اور اونٹنی کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے: فشَطْرَهَا نظَرُ العينين محسور اس اونٹنی کی جانب آنکھوں کی نظر تھکی ماندی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی نادم ہے۔ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

ما أنا اليومُ على شيْئٍ خَلَا يا بنة القين تَوَلّى بِحَسِرِ

اے بنت قین! میں آج ہاتھ سے نکل جانے والی چیز پر شرمندہ ہو کر پلٹنے والا نہیں

كَرَّتَيْنِ سے مراد یہاں کثرت ہے اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ۞ بار بار دیکھنے پر دلیل ہے۔

وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ۞ وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۞

''اور بے شک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے اور بنا دیا ہے انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب۔ اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کا ان کے لئے عذاب جہنم ہے''۔

وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ، مصابیح، مصباح کی جمع ہے جس کا معنی چراغ ہے۔ ستاروں کو مصابیح کا نام دیا کیونکہ یہ بھی روشن ہوتے ہیں۔ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا ھا ضمیر سے پہلے شهب کا لفظ محذوف ہے اس کی دلیل اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ۞ (الصافات) ہے۔ اس تاویل کی بنا پر مصابیح نہ زائل ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کے ساتھ رجم کیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضمیر مصابیح کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اس تاویل کی بنا پر رجم نفس کواکب سے ہوگا اور کوکب (ستارہ) خود ساقط نہیں ہوتا بلکہ اس سے ایک حصہ جدا ہوتا ہے جس کے ساتھ رجم کیا جاتا ہے نہ اس کی روشنی میں کمی آتی ہے اور نہ ہی اس کی صورت میں کمی واقع ہوتی ہے۔ ابو علی نے یہ بات اس کے قول کے جواب میں کہی جو یہ کہتا ہے: یہ زینت کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ ان کے ساتھ رجم کیا جاتا ہے جو باقی ہی نہیں رہتے؟ مہدوی نے کہا: یہ اس صورت میں ہوگا کہ اس کا اخذ

کرتا کواکب کے موضع سے ہو تقدیر اول اس صورت میں ہوگی جب اخذ کرنا اس سے ہو جو کواکب کے موضع سے نیچے ہے۔
قشیری نے کہا: ابوعلی کے قول سے زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ ہم یہ کہیں: یہ آسمانوں کی زینت ہیں جبکہ ان کے ساتھ بھی شیاطین کو رجم نہ کیا جائے۔ رجوم، رجم کی جمع ہے یہ مصدر ہے اس کے ساتھ نام رکھا جاتا ہے اس چیز کا جس کے ساتھ رجم کیا جاتا ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے نجوم کے تین فائدے بنائے ہیں۔ (۱) یہ آسمان کی زینت ہیں۔ (۲) شیاطین کے لئے رجم ہیں۔ (۳) ایسی علامات ہیں جن کے ساتھ خشکی، سمندر اور اوقات میں راہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ جس نے ان تین مقاصد کے علاوہ کی تاویل کی ہے اس نے اس چیز کا تکلف کیا ہے جس کے بارے میں کوئی علم نہ ہو، اس نے حد سے تجاوز کیا اور ظلم کیا۔ محمد بن کعب نے کہا: اللہ کی قسم! اہل زمین میں سے کسی کے لئے بھی آسمان میں کوئی ستارہ نہیں لیکن اہل زمین نے کہانت کو اس کی راہ بنا دیا اور انہوں نے ستارہ کو علت بنا دیا ہے۔

وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ ۞ ہم نے شیاطین کے لئے شدید آگ تیار کر رکھی ہے، یہ جملہ بولا جاتا ہے: سعرت النار فھی مسعورۃ و سعیر جس طرح مقتولۃ اور قتیل کا لفظ ہے

اِذَآ اُلْقُوْا فِیْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِیْقًا وَّ هِیَ تَفُوْرُ ۞

”جب وہ اس میں جھونکے جائیں گے تو اس کی زوردار گرج سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی“۔

اِذَآ اُلْقُوْا فِیْهَا اذ ضمیر سے مراد کفار ہیں۔ **سَمِعُوْا لَهَا شَهِیْقًا** شھیق سے مراد آواز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب کفار کو جہنم میں پھینکا جائے گا اس وقت جہنم کی یہ آواز ہوگی (1)، وہ ان کے لئے یوں آواز نکالے گی کہ ہر کوئی خوف زدہ ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب کفار کو جہنم میں پھینکا جائے گا اس وقت کفار کی یہ آواز ہوگی؛ یہ عطا کا قول ہے۔ شہیق سینے کی آواز کو کہتے ہیں اور زفیر حلق کی آواز کو کہتے ہیں۔ سورۂ ہود میں یہ بحث گزر چکی ہے **وَّ هِیَ تَفُوْرُ** وہ جوش مارے گی۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

ترکتم قِدْرَکُم لاشئَ فیھا و قِدْرُ القوم حامیۃٌ تفورُ

تم نے اپنی ہنڈیا کو یوں چھوڑا کہ اس میں کچھ بھی نہیں جبکہ قوم کی ہنڈیا گرم ہے، جوش مار رہی ہے۔

مجاہد نے کہا: وہ ان کے ساتھ جوش مار رہی ہوگی جس طرح کثیر پانی میں تھوڑے دانے جوش مارتے ہیں (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ ہنڈیا ان پر جوش مار رہی ہوگی جس میں وہ ہوں گے۔ یہ سخت غصہ کی وجہ سے آگ کے شعلہ کی شدت کا اظہار ہے جس طرح تو کہتا ہے: فلان یفور غیظا وہ غصہ کی وجہ سے جوش مار رہا ہے۔

تَكَادُ تَمَیَّزُ مِنَ الْغَیْظِ ؕ كُلَّمَاۤ اُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ ۞ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ ۙ۬ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۚۖ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 53
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 420

ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝ وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْۤ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝

''(ایسا معلوم ہوتا ہے) گویا مارے غضب کے پھٹا چاہتی ہے جب بھی اس میں کوئی جتھا جھونکا جائے گا تو ان سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے: کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں، بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا، پس ہم نے اس کو جھٹلایا اور ہم نے اس کو (صاف صاف) کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نہیں اتاری، تم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔ وہ کہیں گے: کاش! ہم (ان کی نصیحت کو) سنتے اور سمجھتے تو آج ہم دوزخیوں میں سے نہ ہوتے۔ پس (اس روز) اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے تو پھٹکار ہو اہل جہنم پر''۔

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی اور اس کا بعض، بعض سے جدا ہو جائے گا؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک اور ابن زید نے کہا: وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر شدت غیظ کی وجہ سے پھٹ جائے گی(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِنَ الْغَيْظِ کا معنی جوش مارنا ہے۔ تَمَيَّزُ کی اصل تتميز ہے كُلَّمَاۤ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ فوج سے مراد کفار کی جماعت ہے۔ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ جہنم کے دراوغے توبیخ اور تقریع کے انداز میں ان سے سوال کریں گے۔ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ کیا تمہارے پاس دنیا میں کوئی رسول نہیں آیا جو تمہیں اس دن سے ڈراتا یہاں تک کہ تم احتیاط برتتے؟ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ یعنی ہمارے پاس ڈرانے والا آیا، اس نے ہمیں ڈرایا اور خبردار کیا۔ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری زبانوں پر کچھ نازل نہیں کیا۔ اِنْ اَنْتُمْ ضمیر سے مراد رسولوں کی جماعت ہے۔ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝ انہوں نے رسولوں کو جھٹلانے کا اعتراف کیا، پھر انہوں نے جہالت کا اعتراف کیا جبکہ وہ جہنم میں ہوں گے لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ کاش ہم رسولوں کی باتوں کو سنتے جو رسول لاتے تھے اَوْ نَعْقِلُ یا ان سے حکمت کی باتوں کو سمجھتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کاش! ہم ہدایت کی بات کو سنتے یا اسے سمجھتے یا ہم اس آدمی کے سننے کی طرح سنتے جو یاد رکھتا ہے اور غور وفکر کرتا ہے یا ہم اس آدمی کی طرح سمجھتے جو امتیاز رکھتا ہے اور غور وفکر کرتا ہے(3)۔ یہ اس امر پر دال ہے کہ کافر کو کچھ بھی عقل نہیں دیا گیا۔ سورۂ طور میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ الحمدللہ۔

مَا كُنَّا فِيْۤ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ یعنی ہم جہنمی نہ ہوتے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز تاجر شرمندہ ہوں گے۔ کہیں گے: کاش! ہم سنتے یا سمجھ بوجھ رکھتے تو ہم جہنمی نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انہوں نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا''۔ یعنی انہوں نے رسولوں کو جھٹلانے کے لیے جرم کا اعتراف کر لیا۔ یہاں ذنبا جمع کے معنی میں ہے کیونکہ اس میں فعل کا معنی پایا جا رہا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: خرج عطاء

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 53　2۔ ایضاً　3۔ معالم التنزیل، جلد 6، صفحہ 420

الناس یعنی ان کے عطیات نکل گئے۔

فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے انہیں دور کر دیا گیا ہے۔ سعید بن جبیر اور ابو صالح نے کہا: یہ جہنم میں وادی ہے جسے سحق کہتے ہیں (1)۔ کسائی اور ابو جعفر نے اسے فَسُحُقًا حاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے (2)؛ یہ حضرت علی شیر خدا سے بھی مروی ہے۔ باقی قراء نے اسے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح سُحُتٌ اور رُعُبٌ۔ زجاج نے کہا: یہ مفعول مطلق ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے، تقدیر کلام یہ ہے اسحقهم الله سحقا یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں دور کر دیا۔ امراء القیس نے کہا:

وتَسْحَقُه رِيحُ الصَّبا كُلَّ مُسْحَقِ باد صبا اسے دور کرتی ہے۔

ابو علی نے کہا: قیاس تو یہ تھا کہ مصدر اسحاقا ہوتا تو مصدر حروف زائدہ کے حذف کے ساتھ آیا ہے جس طرح کہا گیا: وان أهلك فذالك كان قدري اگر میں ہلاک کیا جاؤں تو یہی میری تقدیر ہوگی۔ محل استدلال قدری ہے جو اصل میں تقدیری تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝ یہ جہنم کے داروغوں کا قول ہے جو وہ جہنمیوں کو کہیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

"بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لیے (اللہ کی) مغفرت اور اجر عظیم ہے"۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ (ق:33) اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں جو غیب ہے۔ یہ قیامت کے دن کا عذاب ہے۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ان کے لیے ان گناہوں کی بخشش ہے اور وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ اجر کبیر ہے۔ اجر کبیر سے مراد جنت ہے۔

وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝

"تم اپنی بات آہستہ کہو یا بلند آواز سے (اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا)، بے شک وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے۔ (نادانو) کیا وہ نہیں جانتا (بندوں کے احوال کو) جس نے (انہیں) پیدا کیا، وہ بڑا باریک بین ہر چیز سے باخبر ہے"۔

وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ لفظ تو امر کا ہے معنی خبر کا دے رہا ہے یعنی اگر تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں اپنی کلام مخفی رکھو یا اسے ظاہر کرو۔ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وہ ذات پاک تو دلوں میں موجود خیر و شر کو بھی جانتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ آیت مشرکین کے حق میں نازل ہوئی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں باتیں کرتے تھے تو حضرت جبرئیل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بارے میں بتا دیتے تھے تو انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: آہستہ بات کرو تا کہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب سن ہی نہ لے تو یہ آیت نازل ہوئی وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 53 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 420

معاملہ میں آہستہ بات کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام اقوال آہستہ سے کیا کرو یا اعلانیہ کیا کرو۔ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ دلوں میں جو کچھ ہے اسے وہ جانتا ہے۔ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ سے مراد ما فی الصدور ہے جس طرح عورت کا بچہ جب جنین ہو تو اسے ذا بطنہا کہتے ہیں۔ پھر فرمایا: اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وہ ذات پاک جس نے سرّ کو پیدا کیا۔ وہ سرّ کو نہیں جانتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میں نے دل میں راز کو پیدا کیا ہے، کیا بندوں کے دلوں میں جو کچھ ہے میں اسے نہیں جانتا۔ علماء معانی نے کہا: اگر تو چاہے تو مَنْ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات لے لے تو معنی یہ ہوگا کیا خالق اپنی مخلوق کو نہیں جانتا اگر چاہے تو تو اس سے مراد مخلوق لے لے یعنی اسے مفعول بہ بنالے تو معنی ہوگا کیا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو نہیں جانتا۔ ضروری ہے کہ خالق اسے جانتا ہو جس کو اس نے پیدا کیا ہے اور جسے پیدا کرے گا۔ ابن مسیب نے کہا: اس اثنا میں کہ ایک آدمی رات کے وقت گھنے درختوں میں بیٹھا ہوا تھا، تیز ہوا چلی تو انسان کے دل میں خیال پیدا ہوا: بتاؤ کیا اللہ تعالیٰ ان گرنے والے پتوں کو جانتا ہے؟ تو گھنے درخت جانب سے بڑی عظیم آواز آئی: کیا وہ ذات اپنی مخلوق کو نہیں جانتی جبکہ وہ لطیف و خبیر ہے۔

استاذ ابو اسحاق اسفرائینی نے کہا: صفات ذات کے اسماء میں سے جو علم کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان میں سے ایک علیم ہے اس کا معنی ہے جمع معلومات کو عام ہے۔ ان میں سے ایک خبیر ہے۔ یہ خاص ہے کہ جو چیز وقوع پذیر ہونے والی ہے اس کے واقع ہونے سے پہلے وہ باخبر ہے۔ ان میں سے ایک حکیم ہے۔ اس سے مراد ہے وہ اوصاف کے حقائق کو جانتا ہے۔ ان میں سے ایک شہید ہے۔ یہ اس کے ساتھ خاص ہے کہ وہ غائب و حاضر کو جانتا ہے۔ اس کا معنی ہے اس سے کوئی شی غائب نہیں۔ ان میں سے ایک حافظ ہے۔ یہ اس کے ساتھ خاص ہے کہ وہ بھولتا نہیں۔ ان میں سے ایک محصی ہے۔ یہ اس کے ساتھ خاص ہے کہ کثرت اسے علم سے غافل نہیں کرتی جس طرح نور کی روشنی، ہوا کا سخت ہونا، پتوں کا گرنا، اس اعتبار سے ہر پتے کی حرکت کے اجزاء کو بھی جانتا ہے۔ وہ کیسے نہ جانے جبکہ اسی نے پیدا کیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ ۝۱۵

”وہی تو ہے جس نے نرم کر دیا ہے تمہارے لیے زمین کو پس (اطمینان سے) چلو اس کے راستوں پر اور کھاؤ اس کے (دیئے ہوئے) رزق سے اور اسی کی طرف تم کو (قبروں سے) اٹھ کر جانا ہے“۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا یعنی نرم جس پر تم قرار پذیر ہوتے ہو۔ ذلول ایسے مطیع کو کہتے ہیں جو تیرے لیے نرمی کرتا ہے اس کا مصدر ذُل ہے جس کا معنی نرمی اور اطاعت کرنا ہے یعنی زمین کو ایسا نہیں بنایا کہ اس کی سختی کی وجہ سے اس میں چلنا ممکن نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے پہاڑوں کے ساتھ مضبوط کر دیا تاکہ وہ اپنے مکینوں کے ساتھ جھک ہی نہ جائے۔ اگر یہ ایک طرف جھکنے والی ہوتی تو یہ ہمارے لیے مطیع نہ ہوتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں کھیتی اگانا، درخت لگانا، چشموں کا پھوٹ پڑنا، نہریں نکالنا اور کنویں کھودنا ممکن ہے۔

فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا امر اباحت کے لیے ہے اس میں احسان کرنے کا اظہار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خبر ہے جو امر کے لفظ کی صورت میں ہے یعنی تاکہ تم اس کی اطراف، اس کے چھوٹے پہاڑوں اور اس کے بڑے پہاڑوں پر چلو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور بشیر بن کعب نے کہا: فِیْ مَنَاكِبِهَا سے مراد اس کے پہاڑ ہیں (1)۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ حضرت بشیر بن کعب کی ایک لونڈی تھی۔ آپ نے اسے فرمایا: اگر تو مجھے بتادے کہ زمین کے مناکب کیا ہیں تو تو آزاد ہے؟ اس نے جواب دیا: زمین کے مناکب سے مراد اس کے پہاڑ ہیں تو وہ آزاد ہوگئی۔ حضرت بشیر بن کعب نے اس سے نکاح کا ارادہ کیا اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ نے فرمایا: جو تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ دے اور اسے اپنا جو تجھے شک میں نہ ڈالے (☆)۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے اس کے اطراف، منکبا الرجل سے مراد بندے کی دونوں اطراف ہیں۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: اس کے راستوں اور تنگ راستوں میں؛ یہی سدی اور حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: مراد اس کی اطراف ہیں (2)۔ منکب کا اصل معنی جانب ہے اسی سے منکب الرجل ہے۔ انسان کا کندھا، اس سے ایک لفظ ریح نکباء ٹیڑھی چلنے والی ہوا ہے۔ تَنَكَّبَ فلانٌ عن فلان فلاں فلاں سے ایک طرف ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جہاں تم چاہو تم چلو میں نے اسے تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے، اب یہ تمہارے مانع نہیں۔ قتادہ نے ابو جلد سے روایت نقل کی ہے زمین چوبیس ہزار فرسخ ہے۔ حبشیوں کے لیے بارہ ہزار فرسخ، رومیوں کے لیے آٹھ ہزار فرسخ، ایرانیوں کے لیے تین ہزار فرسخ اور عربوں کے لیے ایک ہزار فرسخ (3)۔ وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے جسے حلال کیا ہے اسے کھاؤ؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں سے کھاؤ جو میں نے تمہیں دیا ہے۔ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾ اس کی طرف لوٹنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ ذات جس نے آسمان کو کجی کے بغیر پیدا کیا اور زمین کو مطیع بنایا وہ تمہیں دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾

''کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں غرق کر دے اور وہ زمین تھر تھر کانپنے لگے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا تم اس کے عذاب سے امن میں ہو جو آسمان میں ہے اگر تم اس کی نافرمانی کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے أمنتم من فی السماء قدرتُه وسلطانُه وعرشُه ومملكتُه یعنی کیا تم اس سے بے خوف ہو گئے جس کی قدرت، سلطان، عرش اور مملکت آسمان میں ہے۔ یہاں آسمان کو خاص کیا ہے جبکہ اس کی مملکت عام ہے۔ اس بات پر آگاہ کرنے کے لیے ہے کہ الہ وہ ہے جس کی قدرت آسمانوں میں نافذ ہے نہ کہ وہ الہ ہے جس کی تم زمین میں عظمت بیان کرتے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ملائکہ کی طرف اشارہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جبرائیل امین کی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 54 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 179

☆ جامع ترمذی، باب ما جاء فی صفة اوانی الحوض، حدیث نمبر 2442، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

طرف اشارہ ہے کیونکہ حضرت جبرائیل امین وہ فرشتہ ہے جس کے ذمہ عذاب دینا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ احتمال موجود ہے کہ معنی ہو کیا تم بے خوف ہو گئے اس خالق سے جس نے پیدا کیا ہے ان چیزوں کو جو آسمان میں ہیں کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے جس طرح اس نے قارون کو زمین میں دھنسایا تھا۔

فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ۝ یعنی وہ جائے گی اور آئے گی۔ مور کا معنی آنے اور جانے میں اضطراب ہے۔

شاعر نے کہا:

رَمَيْنَ فأقْصَدْنَ القلوبَ ولن ترى دمًا مائرًا إلّا جرَىٰ في الحَيَازِمِ

انہوں نے تیر مارے اور انہوں نے دلوں کا قصد کیا تو ہرگز پھیلنے والے خون کو نہیں دیکھے گا مگر یہ کہ وہ سینے کے وسط میں چلتا ہے۔

حیازم یہ حیزوم کی جمع ہے۔ وہ سینہ کا وسط ہے جب انسان کو دھنسایا جاتا ہے تو زمین اس پر گھوم جاتی ہے۔ یہی مور ہے۔ محققین کہتے ہیں: کیا تم بے خوف ہو اس سے جو آسمانوں سے بھی اوپر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ (التوبہ:2) یعنی جو آسمان سے اوپر ہے اس کا خوف مس کرنے سے نہیں اور نہ ہی اسے مکان بنانے سے ہے بلکہ وہ اس پر غلبہ رکھتا ہے اور تدبیر فرماتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے امنتم من علی السماء جس طرح وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ (طٰہٰ:71) فی، علی کے معنی میں ہے۔ اس کا معنی ہوگا اس کا مدبر اور اس کا مالک ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلانٌ علی العراق والحجاز یعنی فلاں عراق اور حجاز کا والی اور اس کا امیر ہے۔ اس باب میں اخبار بہت زیادہ ہیں، صحیح ہیں، مشہور و معروف ہیں، بلندی کی طرف اشارہ کرنے والیاں ہیں، ان کا انکار صرف ملحد یا معاند جاہل ہی کر سکتا ہے۔ ان سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت اور پستی سے اس کی پاکی بیان کرنا ہے۔ اس کی علو اور عظمت کے ساتھ صفت یہ اماکن، جہات اور حدود کے اعتبار سے نہیں کیونکہ یہ اجسام کی صفات ہیں۔ دعا کے موقع پر ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے کیونکہ آسمان وحی کا مہبط ہے، بارش وہاں سے نازل ہوتی ہے، پاکیزگی کا محل ہے اور پاکیزہ فرشتوں کا معدن ہے، بندوں کے اعمال اس کی طرف بلند کیے جاتے ہیں۔ آسمانوں سے اوپر اس کا عرش اور اس کی جنت ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو دعا اور نماز کا قبلہ بنا دیا ہے۔ ایک وجہ یہ ہے اللہ تعالیٰ نے امکنہ کو پیدا کیا ہے، وہ امکنہ کا محتاج نہیں، وہ مکان اور زمان کے پیدا کرنے سے پہلے ازل میں تھا، اس کا کوئی مکان اور زمان نہیں تھا، وہ اب بھی اسی طرح ہے جس طرح وہ پہلے تھا۔ قنبل نے ابن کثیر سے النشورُ وامنتم پڑھا ہے۔ پہلے ہمزہ کو واؤ اور دوسرے میں تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ کوفیوں، بصریوں اور اہل شام نے ابو عمرو اور ہشام کے علاوہ دونوں ہمزوں میں تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ۝

''کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی ہوا، تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے''۔

حَاصِبًا یعنی آسمان سے پتھر برسائے جس طرح اس نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اور اصحاب فیل پر پتھر برسائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسی ہوا بھیجے جس میں پتھر اور سنگریزے ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایسا بادل بھیجے جس میں پتھر ہوں۔ نَذِيْرِ، اندازی کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نذیر، منذر کے معنی میں ہے۔ مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے تو تم عنقریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور جھٹلانے کا انجام دیکھ لو گے۔

وَ لَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ⑱

''اور جو لوگ ان سے پہلے گزرے انہوں نے بھی جھٹلایا (خود دیکھ لو) کہ (ان پر) میرا عذاب کتنا سخت تھا''۔

اسم موصول سے مراد امتوں کے کفار ہیں جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم، قوم عاد، قوم ثمود، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم، اصحاب مدین، اصحاب رس اور قوم فرعون۔

نَكِيْرِ بھی انکاری کے معنی میں ہے یعنی یائے متکلم محذوف ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ورش نے نذیری اور نکیری میں یاء کو وصل میں ثابت رکھا ہے۔ یعقوب نے دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے باقی قراء نے مصحف کی اتباع میں حذف کر دیا ہے۔

اَوَ لَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّ يَقْبِضْنَ ؔ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ ⑲

''کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر (اڑتے) کبھی نہیں دیکھا پر پھیلائے ہوئے اور کبھی پر سمیٹ بھی لیتے ہیں، نہیں روکے ہوئے انہیں کوئی (فضا میں) بجز رحمن کے، بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے''۔

اَوَ لَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ جس طرح اللہ تعالیٰ نے زمین کو انسان کے لیے مسخر کیا ہے اس طرح پرندوں کے لیے ہوا کو مسخر کیا ہے صٰٓفّٰتٍ کا معنی باسطات ہے یعنی وہ اڑنے کے وقت فضا میں اپنے پروں کو پھیلا لیتے ہیں کیونکہ جب وہ انہیں پھیلاتے تو، تو ادم (بڑے پر) کو صف در صف کر لیتے ہیں وَّ يَقْبِضْنَ انہیں اپنے پہلوؤں سے مارتے ہیں۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: پرندہ جب اپنے پروں کو پھیلائے تو اسے صاف کہتے ہیں اور جب انہیں ملائے تو اسے قابض کہتے ہیں کیونکہ اس وقت وہ پروں کو قبض کر لیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے پروں کو پھیلانے کے بعد قبض کر لیتے ہیں جب وہ اڑنے سے وقفہ کرتے ہیں۔ اس کا عطف صٰٓفّٰتٍ پر ہے۔ فعل مضارع کا عطف اسم فاعل پر ہے جس طرح اسم فاعل کا عطف فعل مضارع پر ہے۔ یقصد الی اسو قها و جائر یہاں جائر کا عطف یقصد پر ہے۔

مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ ⑲ پرندہ جب فضا میں اڑ رہا ہو تو فضا میں اسے اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں روکتا۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ

غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾

''(اے منکرو!) کیا تمہارے پاس کوئی ایسا لشکر ہے جو تمہاری مدد کرے (خداوند) رحمن کے علاوہ، بے شک منکرین دھوکہ میں مبتلا ہیں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جُنْدٌ کا معنی حزب اور منعۃ کیا ہے (1)، یعنی ایسی جماعت جو تمہارا دفاع کرے گی۔ اللہ تعالیٰ جس کا تمہارے بارے میں ارادہ کرے گا۔ اگر تم اس کی نافرمانی کرو۔ لفظ جند واحد ہے اسی وجہ سے فرمایا: ھٰذَا الَّذِیْ ھُوَ جُنْدٌ لَّکُمْ یہ استفہام انکاری ہے یعنی تمہارے پاس کوئی لشکر نہیں جو تمہارا اللہ تعالیٰ کے عذاب سے دفاع کرے۔ دون، سوا کے معنی میں ہے۔ کافر شیطان کی جانب سے دھوکہ میں مبتلا ہیں۔ وہ انسان کو دھوکہ دیتا ہے کہ کوئی عذاب نہیں کوئی حساب نہیں۔

اَمَّنْ ھٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُکُمْ اِنْ اَمْسَکَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾

''کیا کوئی ایسی ہستی ہے جو تمہیں رزق پہنچا سکے اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق بند کر لے لیکن یہ لوگ سرکشی اور حق سے نفرت میں بہت دور نکل گئے ہیں''۔

کیا کوئی ایسی ہستی ہے جو تمہیں دنیا کے منافع عطا کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہارے معبودوں میں سے کوئی ایسا ہے جو تم پر بارش نازل فرمائے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق روک لے بلکہ انہوں نے سرکشی کی اور سرکشی میں اور حق سے دور بھاگنے میں اصرار کیا۔

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾

''کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرتا پڑتا چلا جا رہا ہے وہ راہ راست پر ہے یا جو سیدھا ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہے''۔

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کی مثال بیان فرمائی ہے مُکِبًّا وہ اپنے سر کو جھکائے ہوئے ہے وہ اپنے سامنے نہیں دیکھ سکتا نہ دائیں دیکھ سکتا ہے اور نہ بائیں دیکھ سکتا ہے۔ وہ لڑکھڑانے اور منہ کے بل گرنے سے امن میں نہیں ہوتا جس طرح وہ آدمی جو سیدھا اعتدال سے چلتا ہے جبکہ وہ سامنے، اپنی دائیں جانب اور اپنی بائیں جانب دیکھ رہا ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ دنیا میں ہے۔ یہ جائز ہے کہ مراد اندھا ہو جو راستہ کی طرف ہدایت نہیں پاتا تو وہ بھٹک جاتا ہے وہ ہمیشہ منہ کے بل گرتا رہتا ہے۔ وہ اس آدمی کی طرح نہیں جو سیدھے قد والا، صحیح، دیکھنے والا ہے اور راستہ میں چلتا ہے اور ہدایت پاتا ہے۔ قتادہ نے کہا: مراد کافر ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں پر منہ کے بل گرا رہتا ہے۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسے منہ کے بل ہی گرائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کلبی نے کہا: اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ سے مراد ابوجہل ہے اور الذی یمشی سویا سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت حمزہ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد حضرت عمار بن یاسر ہیں؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کافر و مومن کو عام ہے یعنی کافر

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 422

نہیں جانتا کہ کیا وہ حق پر ہے یا باطل پر ہے یعنی کیا یہ کافر زیادہ حق پر ہے یا مسلمان حق پر ہے جو سیدھا اور اعتدال کے ساتھ چلتا ہے جبکہ وہ راستہ بھی دیکھ رہا ہوتا ہے۔

عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ اس سے مراد اسلام ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اکب باب افعال ہو تو لازم استعمال ہوتا ہے اور کب مجرد ہو تو متعدی استعمال ہوتا ہے جیسے کبه الله لوجهه۔

قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝

''آپ فرمایئے: وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لیے کان، آنکھیں اور دل بنائے، (لیکن) تم بہت کم شکر کیا کرتے ہو''۔

الله تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو شرک کی قباحت سے آگاہ کریں جبکہ وہ یہ اعتراف بھی کرتے ہیں کہ الله تعالیٰ نے ہی انہیں پیدا کیا ہے۔ الْاَفْـِٕدَةَ سے مراد دل ہیں۔ قَلِیْلًا مَّا یہ لا کے معنی میں ہے یعنی تم ان نعمتوں کا شکر بجا نہیں لاتے اور تم الله تعالیٰ کی وحدانیت بیان نہیں کرتے تو کہتا ہے: قلما افعل کذا یعنی میں اسے نہیں کرتا۔

قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

''آپ فرمایئے: اسی نے تم کو پھیلا دیا ہے زمین میں اور (روز حشر) تم اسی کے پاس جمع کیے جاؤ گے۔ (کفار ازراہ مذاق) پوچھتے ہیں کہ (بتاؤ) یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو''۔

ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تمہیں زمین میں پیدا کیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہیں اس میں پھیلا دیا اور اس پر تمہیں بکھیر دیا(2)؛ یہ ابن شجرہ کا قول ہے۔ تمہیں اس کی بارگاہ میں جمع کیا جائے گا تاکہ ہر کسی کو اس کے عمل کا بدلہ دے دیا جائے۔ وہ کہتے ہیں: یہ قیامت کب آئے گی؟ یہ عذاب کب آئے گا جس کی تم ہمیں دھمکیاں دیتے ہو؟ یہ بات بطور استہزاء کہا کرتے تھے۔

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝

''آپ فرمایئے: (اس کا) علم تو الله ہی کے پاس ہے، میں تو محض واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں''۔

اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بتا دیجئے قیامت کے قائم ہونے کے وقت کا علم الله تعالیٰ کے پاس ہے، اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کی مثل الله تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ (الاعراف:187) نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ تمہیں ڈرانے والا اور تمہیں تعلیم دینے والا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 56 2۔ ایضاً

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ قِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ۝

''پھر جس وقت اسے قریب آتے دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے جس کا تم بار بار مطالبہ کرتے ہو''۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً۔ زُلْفَةً مصدر ہے جو مزدلفا کے معنی میں ہے جس کا معنی قریب ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی عیاں ہے۔ اکثر مفسرین نے کہا: معنی ہے جب وہ عذاب کو قریب دیکھیں گے۔ اس سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔ مجاہد نے کہا: مراد بدر کا عذاب ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس حشر کا ان سے وعدہ کیا گیا اس کو قریب دیکھیں گے۔ اس پر تحشرون دلالت کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب وہ اپنے برے عمل کو قریب دیکھیں گے۔

سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کفار کے ساتھ برا معاملہ کیا جائے گا۔ زجاج نے کہا: ان کے چہروں میں سوء کو ظاہر کر دے گا اور ان کے چہروں پر ایسی نشانی ظاہر ہوگی جو ان کے کفر پر دلالت کرے گی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ (آل عمران: 106)

نافع، ابن محیصن، ابن عامر اور کسائی نے ضمہ کے اشمام کے ساتھ سیئت پڑھا ہے باقی قراء نے اشمام کے بغیر خفت کو طلب کرتے ہوئے پڑھا ہے۔ جس نے ضمہ پڑھا اس نے اصل کو پیش نظر رکھا۔

وَ قِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ۝ فراء نے کہا: تَدَّعُوْنَ یہ دعا سے تفتعلون کا وزن ہے؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے یعنی تم تمنا کرتے ہو اور سوال کرتے ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو۔ اس کی تاویل ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے تم اباطیل کا دعویٰ کیا کرتے تھے؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ عام قرأت تَدَّعُوْنَ ہے۔ اس کی تاویل وہی ہے جو ہم نے ذکر کر دی ہے۔ قتادہ، ابن ابی اسحاق، ضحاک اور یعقوب نے تَدْعُوْنَ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ ان کا یہ قول ہے رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا (ص: 16) ضحاک نے کہا: وہ ان کا یہ قول ہے اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ (الانفال: 32) حضرت ابو العباس نے کہا: تدعون کا معنی ہے تم جلدی مچاتے ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: دعوت بکذا۔ جب تو اسے طلب کرے۔ أدعیت یہ اسی سے باب افتعال ہے۔ نحاس نے کہا: تدعون اور تدعون دونوں کا ایک ہی معنی ہے جس طرح کہا جاتا ہے: قدر اور اقتدر، عدی اور اعتدی، مگر افتعل میں ایسا معنی ہے کہ ایک شی دوسری شی کے بعد واضح ہوتی ہے اور فعل، قلیل و کثیر پر واقع ہوتی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَ مَنْ مَّعِيَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝

''آپ فرمایئے: (اے منکرو!) ذرا غور تو کرو اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں، کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرما دے تو کون بچالے گا کافروں کو دردناک عذاب سے''۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں کہہ دیجئے۔ مراد مشرکین مکہ ہیں۔ وہ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی موت کا انتظار کرتے تھے

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 423

جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝ (الطور) بتاؤ اگر ہمیں موت آ جائے یا ہم پر رحم کیا جائے اور ہماری موت کے وقت کو موخر کر دیا جائے تو تمہیں عذاب الیم سے کون پناہ دے گا تو تمہیں ہماری موت کے انتظار کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی قیامت کے وقوع کی جلدی کی ضرورت ہے۔ ابن محیصن، مسیب، شیبہ، اعمش اور حمزہ نے اھلکنی کی یاء کو ساکن کیا ہے، باقی قرء نے اسے فتحہ دیا ہے۔ تمام قراء نے کہا: ومن معی کی یاء کو فتحہ دیا ہے مگر اہل کوفہ نے اسے ساکن قرار دیا ہے۔ حفص نے اسے دوسرے قراء کی طرح فتحہ دیا ہے۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۲۹

"فرمایئے: وہ (میرا خالق) بڑا ہی مہربان ہے ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہے۔ پس عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کھلی گمراہی میں کون ہے"۔

کسائی نے تعلمون کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے(1) اور اسے علی سے روایت کیا ہے باقی قراء نے خطاب کے صیغہ کے طور پر تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ ان کو دھمکانا ہے۔ یہ سوال کیا جاتا ہے: اٰمَنَّا کے مفعول بہ کو موخر کیوں کیا گیا اور تَوَكَّلْنَا کے مفعول کو مقدم کیوں کیا گیا؟ تو اس کا جواب دیا جائے گا: کافروں کے ذکر کے بعد جب اس کو ذکر کیا تو کفار سے اشارۃً بات کی گئی گویا کہا گیا ہم ایمان لائے اور ہم نے کفر نہیں کیا جس طرح تم نے کفر کیا۔ پھر فرمایا: وَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا خصوصاً ہم ان چیزوں پر بھروسہ نہیں رکھتے جن پر تم بھروسہ رکھتے ہو جیسے اپنے مردوں اور اپنے اموال پر؛ یہ زمخشری کا قول ہے(2)۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝۳۰

"آپ پوچھیے: اگر کسی صبح تمہارا پانی زمین کی تہہ میں اتر جائے تو تمہیں میٹھا صاف پانی کون لا دے گا"۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اے قریش کی جماعت! اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا زمین میں دور چلا جائے ڈول اس تک نہ پہنچ سکیں۔ ان کا پانی دو چشموں سے حاصل ہوتا تھا۔ بئر زمزم اور بئر میمون۔ فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝ معین کا معنی جاری ہے؛ یہ قتادہ اور ضحاک کا قول ہے۔ ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ کہیں: اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی لانے والا نہیں، تو فرمایئے: تم اس کے ساتھ ایسے کیوں شریک ٹھہراتے ہو جو تمہارے لیے پانی لانے والا بھی نہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: غار الماء یغور غورا پانی کا دور چلا جانا، غور، غائر کے معنی میں ہے۔ مبالغہ کے لیے مصدر کے ساتھ صفت ذکر کی گئی ہے جس طرح تو کہتا ہے: رجل عدل و رضا سورۂ کہف میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ سورۂ مومنون میں بھی یہ بحث گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ماء معین کا معنی ہے ظاہر پانی جسے آنکھیں دیکھ سکیں(3)۔ یہ مفعول کا وزن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ معن الماء سے مشتق ہے یعنی زیادہ ہو جانا اس وقت فعیل کا وزن ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: معنی ہے کون میٹھا پانی لائے گا؟ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 423 | 2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 583 | 3۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 423